سوال

(33)زکات کی رقم مدرسے میں دینا

جواب

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

اموالِ زکوۃ مفروضہ میں سے مدرسۃ العلوم میں دینا بایں طورکہ نقد روپیہ یا کتب حوالہ مہتمان مدرسہ کے کیا جاوے کہ وہ لوگ داخل مدرسہ کرکے نفقہ طلبا و مشاہرہ مدرسین ودیگر مصارف مدرسہ میں صرف کریں اور وہ کتب درس وتدریس میں رہیں۔ ازروئے کتاب اللہ تعالیٰ وسنتِ رسول اللہ ﷺ جائز ہے یا نہیں؟ ائمہ حنفیہ کا اس باب میں کیا مسلک ہے؟

الجواب بعون الوہاب بشرط صحة السؤال

وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ!

الحمد للہ، والصلاة والسلام علیٰ رسول اللہ، أما بعد!

حسب تصریح فقہائے حنفیہ اموال زکوۃ میں تملیک شرط ہے، یعنی اس مال کو کسی اہل مصرف زکوۃ کی ملک گردانے، اس لیے بنائے مساجد وتکفین اموات میں اموال زکوۃ کو صرف کرنے سے عند الاحناف زکوۃ ادا نہیں ہوگی۔

ہدایہ میں ہے:

''ولایبنی بھا مسجد، ولایکفن بھا میت، لانعدام التملیک، وھوالرکن، ولایقضی بھا دین میت، لأن قضاء دین الغیر لایقتضی التملیک منہ، لاسیما فی المیت'' انتھی (الھدایۃ، ص: ۱۱۰)

''اس رقم سے مسجد بنائی جائے گی نہ میت کی تکفین کی جائے گی، کیونکہ یہاں ملکیت ثابت نہیں ہے، جب کہ ملکیت کا ثبوت اہم رکن ہے اور نہ اس کے ذریعہ میت کا قرض چکایا جائے گا، کیونکہ دوسرے کے قرض کو ادا کرنا اس کی جانب سے تملیک ثابت نہیں کرتے بالخصوص میت کے لیے۔''

اور ''فتح القدیر شرح الھدایۃ'' میں ہے:

''قولہ: لانعدام التملیک، وھوالرکن: فإن اللہ تعالی سماھا صدقۃ، وحقیقیۃ الصدقۃ تملیک المال من الفقیر، وھذا فی البناء ظاھر، وکذا فی التکفین، لأنہ لیس تملیکا للکفن من المیت'' انتھی (فتح القدیر ۲ ۲٦۷)

''یہ قول کہ تملیک نہیں پائی جاتی، جو اہم رکن ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو صدقے کا نام دیا ہے اور صدقے کی حقیقت فقیر کو مال کا مالک بنانا ہے۔ یہ چیز تعمیر میں ظاہر ہے، ایسا ہی معاملہ تکفین کے سلسلے میں ہے، کیونکہ تکفین میں میت کو کفن کا مالک نہیں بنایا جاتا۔ ختم شد''

''البنایۃ فی شرح الھدایۃ للعینی'' میں ہے:

''لایبنی بالزکوۃ مسجد، لأن الرکن فی الزکوۃ التملیک . . . (وھوالرکن) وکذالاتبنی بھا القناطر والسقایات، ولایحفر بھا الآبار، ولاتصرف فی إصلاح الطرقات وسدالثغور، ونحوذلک ممالایملک فیہ'' انتھی (البنایۃفی شرح الھدایۃ ۳ ۴۶۲)

''زکات کے مال سے مسجد تعمیر نہیں کی جاسکتی، کیونکہ زکات کا اہم رکن فقیر کومال کا مالک بنانا ہے اوریہ چیزاس میں نہیں پائی جاتی اورنہ اس سے میت کی تجہیزو تکفین کی جاسکتی ہے، کیونکہ یہاں بھی میت کی ملکیت ثابت نہیں ہوتی، جوایک رکن ہے۔ اسی طرح سے پل نہیں بنائے جاسکتے اورنہ کنویں کھودے جاسکتے ہیں۔ سڑکوں کی مرمت ودرستی اور سرحدوں کی حفاظت وغیرہ کے کام بھی زکات سے نہیں کیے جاسکتے، کیونکہ ان سے تملیک ثابت نہیں ہوتی۔ ختم شد''

اور ''البحرالرائق'' میں ہے:

''ولاتدفع إلی بناء مسجد، وتکفین میت، وقضاء دینہ، وشراء قن یعتق، وعدم الجوازلانعدام التملیک الذي ھوالرکن فی الأربعۃ . . . والحیلۃ فی الجوازفی ھذہ الأربعۃ أن یتصدق بمقدارزکاتہ علی فقیر، ثم یأمرہ بعدذلک بالصرف إلی ھزہ الوجوہ، لیکون لصاحب المال ثواب الزکاۃ، وللفقیر ثواب ھذہ القرب، کذافی المحیط، وأشارالمصنف إلی أنہ لوأطعم یتیما بنیتھالایجزئہ، لعدم التملیک، إلاإذادفع لہ الطعام کالکسوۃإذاکان یعقل القبض وإلافلا'' انتھی (البحرالرائق ۲ ۲۶۱)

''مسجد کی تعمیر کےلیے زکات کی رقم دی جائے گی نہ میت کی تجہیزوتکفین کےلیے، اورنہ اس کے قرض کی ادائی کےلیے اورنہ غلام کوخرید کرآزاد کرنے کےلیے، کیوں کہ یہ جائز نہیں ہے، اس لیے کہ ان چاروں ہی صورتوں میں فقیراور مسکین کومال کا مالک بنانے کی کیفیت نہیں پائی جاتی ہے، جس کا ہونا ان چاروں ہی میں رکن ہے۔ ان چاروں معاملات میں زکات کا مال خرچ کرنے کاحیلہ یہ ہے کہ اپنے مال کی زکات کسی فقیرکودیدے، پھروہ زکات دینے والا مال دار شخص اس فقیر شخص سےکہے کہ وہ فقیراس مال کوان چاروں معاملات پریاان میں سے کسی ایک پرخرچ کردے۔ اس طرح مال دار شخص کوزکات دینے کاثواب مل جائے گااور فقیر شخص کوان چاروں معاملات میں خرچ کرنے کاثواب حاصل ہوجائے گا۔ یہ بات اسی طرح المحیط (نامی کتاب) میں لکھی ہوئی ہے۔ مصنف نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ اگراس نے زکات دینے کی نیت سے کسی یتیم بچے کوکھانا کھلادیا تواس طرح کرنے سے زکات ادانہیں ہوگی، کیونکہ اس میں یتیم بچے کومال کا مالک نہیں بنایا گیا سوائے اس کے کہ اگراس نے اس کےلیے کھانے کوکپڑوں کی مانند پیش کردیا، بشرطیکہ وہ یتیم بچہ مال کا مالک بننے کی حقیقت کوسمجھتا ہو، ورنہ نہیں۔ ختم ہوا۔''

اوربھی ''البنایۃفی شرح الھدایۃ'' میں ہے:

''وتجمع فی بیت المال من الأموال أربعۃأنواع: منھا الصدقات، وھی زکوۃ السوائم والعشور، وماأخذہ العاشرمن المسلمین الذین یمرون علیہ من التجار، ونوع آخر: ماأخذمن خمس الغنائم والمعدن والرکاز، ویصرف ھذین النوعین فی الأصناف التی ذکرھا اللہ فی کتابہ، وھوقولہ: اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلۡفُقَرَآءِ . . . الآیۃ، وقولہ تعالی: وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا غَنِمۡتُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ . . . الآیۃ، فیصرف الیوم إلی ثلاثۃأصناف: الیتامی والمساکین وابن السبیل، والنوع الثالث: ھوالخراج والجزیۃ، وماصولح علیہ مع بنی نجران من الحلل ومع بنی تغلب من الصدقۃالمضاعفۃ، وماأخذ العاشرمن المستأمن من أھل الحرب، وماأخذمن تجارأھل الذمۃ، تصرف ھذہ فی عمارۃ الرباطات والقناطیر والجسوروسد الثغوروکری الأنھارالعظام التی لاملک لأحدفیھا کجیحون والفرات ودجلۃ، یصرف إلی أرزاق القضاۃ وأرزاق الولاۃ المحتسبین والمعلمین والمقاتلۃ وأرزاق المقاتلۃ، ویصرف إلی رصد الطریق فی دارالإسلام عن اللصوص وقطاع الطریق، والنوع الرابع: ماأخذ من ترکۃالمیت الذي مات ولم یترک وارثاأوترک زوجاأوزوجۃ، فمصرف ھذانفقۃ المرضی فی أدویتھم وعلاجھم، وھم فقراء، وکفن الموتی الذین لامال لھم، ونفقۃ اللقیط، وعقل جنایۃ، ونفقۃمن ھوعاجزمن الکسب، ولیس لہ من یقضی علیہ فی نفقتہ وماأشبہ ذلک'' انتھی کلامہ مختصرا (البنایۃ ۳ ۴۶۰)

''بیت المال میں چارطرح کے اموال جمع کیے جائیں گے۔ ان میں سے ایک قسم صدقات کی ہے۔ یہ چرنے والے جانوروں اور عشرکی زکات ہے، جو عشر جمع کرنے والے نے مسلمان تاجروں سے حاصل کیا ہے۔ دوسری قسم: غنائم، معادن اور دفینے کا خمس ہے۔ ان دونوں طرح کے اموال کوزکات کے ان آٹھ مستحقین پرخرچ کیا جائے گا، جن کاتذکرہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کیا ہے، جیساکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ''صدقات صرف فقرا کےلیے ہیں . . .'' (التوبہ: ۶۰) نیزاللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''اورجان لوکہ تم لوگوں نے مال غنیمت میں جوکوئی بھی چیزحاصل کی ہے . . .'' (الانفال: ۴۱) توآج تین اصناف میں انھیں خرچ کیا جائے گا۔ یعنی یتامیٰ، مساکین اورمسافروں پر۔ تیسری قسم خراج اورجزیہ ہے اور

بنی نجران سے جن چیزوں پر مصالحت ہوئی تھی اور بنی تغلب کے ساتھ جس دوگنا صدقے پر مصالحت ہوئی تھی اور جو کچھ غیر مسلم معاہدین سے اور ذمی تاجروں سے وصول کیا جائے گا۔ یہ اموال دفاع، پل اور تعمیرات، سڑکوں کی درستی، بڑی بڑی نہروں کو کرائے پر اٹھانا، جو کسی ایک کی ملکیت نہیں ہے، جیسے جیحون، فرات، دجلہ کی نہریں، نیز یہ اموال قضات، ولات، محتسبین، معلمین اور مجاہدین کی تنخواہوں پر خرچ کیے جائیں گے۔ چوروں اور ڈاکوؤں سے دارالاسلام کے راستوں کو محفوظ رکھنے کے انتظامات پر صرف کیے جائیں گے۔ چوتھی قسم وہ اموال جو میت کے ترکے سے لیے جائیں گے، جس کا انتقال ہوگیا ہو اور اس کا کوئی وارث نہ ہو یا اس نے صرف شوہر یا بیوی چھوڑی ہو۔ تو اس کے مال کا مصرف اس کے علاقے کے فقرا، مریضوں پر خرچ کرنا اور ان کا علاج کرنا ہے اور ایسے مردوں کی تدفین کا انتظام کرانا ہے جو مال چھوڑ کر نہ مرے ہوں، لقیط کا خرچہ، قتل کی دیت اور اس شخص کا خرچہ جو روزی کمانے سے عاجز ہو اور اس کا کوئی ایسا مددگار نہ ہو جو اس کے اخراجات کا بار اٹھا سکے اور اس سے ملتی جلتی صورتیں۔ ان کا کلام ختم ہوا۔''

لیکن یہ مسلک ائمہ احناف کا کہ ''صدقہ میں تملیک رکن اعظم ہے''مضبوط و مدلل بالدلائل القویہ ثابت نہیں ہے، بچند وجوہ:

اول: یہ کہ ائمہ احناف کے کلام میں خود تعارض ہے۔ ایک جگہ تو اثبات تملیک کرتے ہیں۔ بایں عبارت کہ:

''إن اللہ تعالی سماها صدقۃ، وحقیقۃ الصدقۃ تملیک المال للفقیر'' (فتح القدیر، ۲ ۲۶۷)

''یعنی اللہ نے اس کا نام صدقہ رکھا ہے اور صدقے کی حقیقت فقیر کو مال کا مالک بنا دینا ہے۔''

''وقالوا: ولا یبنی بها مسجد لانعدام التملیک وهو الرکن'' (الهدایۃ، ص: ۱۱۰)

''اور انھوں نے کہا ہے کہ اس رقم سے مسجد تعمیر نہیں کی جائے گی کیوں کہ وہاں تملیک پائی نہیں جاتی جو اہم ترین رکن ہے۔''

اور دوسری جگہ ائمہ احناف نے تملیک کی نفی کی ہے۔ اور قولہ تعالیٰ: اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلۡفُقَرَآءِ... (التوبۃ: ۶۰) میں جو لام ہے، امام شافعی اس کو لام تملیک کہتے ہیں۔ اس کی ائمہ احناف تردید کرتے ہیں اور اس کو لام اختصاص قرار دیتے ہیں۔ عینی کی شرح ہدایہ میں ہے:

''(م) [ولنا أن الإضافۃ] (ش) أي إضافۃ الصدقات إليهم (م) [لبيان أنهم مصارف] (ش) وأن تصير العاقبۃ لهم (م) [لا لإثبات الاستحاق] (ش) لأن المجهول لا يصلح مستحقا، واللام للاختصاص لا للملك كما يقال: الجل للفرس، ولا ملك له، وكان المراد اختصاصهم بالصرف إليهم، ومعاني اللام ترتقي إلى أكثر من عشرۃ، ولكن أصلها للاختصاص، ولم يذكر الزمخشري في المفصل غير الاختصاص لعمومه، فقال: اللام للاختصاص، كقولك: المال لزيد، والسرج للدابۃ، واللام في الآيۃ للاختصاص، يعني أنهم مختصون بالزكاۃ، ولا تكون لغيرهم، كقولهم: الخلافۃ لقريش، والسقايۃ لبني هاشم، أي لا يوجد ذلك في غيرهم، ولا يلزم أن تكون مملوكۃ لهم، فتكون اللام لبيان محل صرفها، وأيضا الفقراء والمساكين لا يحصون لكثرتهم، فكانوا مجهولين، والتمليك من المجهول محال'' (البنايۃ شرح الهدايۃ ۳ ۴۵۹)

''ہماری دلیل یہ ہے کہ صدقات کی اضافت ان کی جانب اس بات کو بیان کرنے کے لیے ہے کہ وہ زکات وصول کرنے اور اسے استعمال کرنے کے حق دار ہیں اور مال کو بالآخران ہی کی طرف لوٹنا ہے۔ استحقاق کو ثابت کرنے کے لیے نہیں ہے، کیونکہ مجہول مستحق نہیں ہو سکتا۔ اور لام اختصاص کے لیے ہے نہ کہ تملیک کے لیے، جیسا کہ کہا جاتا ہے: ''الجل للفرس''یعنی جل گھوڑے کے لیے ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ اس کا مالک نہیں ہوتا، بلکہ ان پر صرف کرنے کی بنا پر اس سے مراد اس کا اختصاص ہوتا ہے۔ لام کے دس سے زیادہ معانی آتے ہیں، لیکن اس کی اصل اختصاص ہے۔ زمخشری نے ''مفصل''میں اختصاص کی عمومیت کی بنا پر اختصاص کے علاوہ کوئی مفہوم ذکر نہیں کیا ہے اور کہا ہے کہ لام اختصاص کے لیے ہے، جیسے تمہارا یہ کہنا کہ مال زید کے لیے ہے اور زین جانور کے لیے ہے۔ آیت میں لام اختصاص کے لیے ہے۔ یعنی یہ لوگ زکات کے لیے مختص ہیں، زکات ان کے علاوہ کے لیے نہیں ہوگی۔ جیسے ان کا قول ہے: خلافت قریش کے لیے خاص ہے اور پانی پلانا بنی ہاشم کے لیے مختص ہے۔ یعنی ان کے علاوہ میں یہ نہیں پایا جاتا۔ اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ یہ چیزیں ان کی ملکیت ہو جائیں۔ اس طرح لام زکات کے صرف کرنے کے محل کے بیان میں آیا ہے اور اس لیے بھی کہ فقرا و مساکین کی کثرت کی بنا پر ان کو شمار نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے وہ لوگ مجہول ہیں اور مجہول کی تملیک محال ہے۔''

پھر جس شے کی نفی ہے، اسی کا اثبات کیا جاتا ہے۔ اور علامہ عینی نے شرح ہدایہ میں دوبارہ رفع ایس تناقض کے جو یہ لکھا ہے :

''لأن التمليک رکن، لأنه الأصل فی دفع الزکاة۔ فإن قلت : أنتم جعلتم اللام فی الآية للعاقبة، ودعوی التمليک بدلالة اللام، فلم تبق إلا دعوی مجردة؟ قلت : معنی جعل اللام للعاقبة أن المقبوض يصير ملکا لهم فی العاقبة، ثم يحصل لهم الملک بدلالة اللام، فلم تبق دعوی مجردة'' انتهی (البناية شرح الهداية ٣ ٤٦٤)

''بے شک تملیک رکن ہے، کیوں کہ زکات ادا کرنے میں یہی اصل ہے۔ لیکن اگر تم یہ کہو کہ تم لوگوں نے لام کو آیت کریمہ میں معاقبت کےلیے بنا دیا ہے اور تملیک کا دعویٰ لام کی دلالت سے کرتے ہیں تو یہ صرف دعوی ہی رہ گیا۔ تو میرا جواب یہ ہے کہ لام کو معاقبت کے معنی میں لینے کا مطلب یہ ہے کہ قبضے کی گئی چیز آخر کار ان کی ملک میں ہوگی، پھر لام کی دلالت سے انھیں کی ملکیت حاصل ہوگی۔ لہٰذا یہ خالی دعویٰ نہ ہوا۔ ختم شد''

پس اس تقریر کا ضعف اور محض تاویل رکیک ہونا اہل بصیرت پر مخفی نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

اور تعریف ''صدقہ'' کی جو شیخ ابن الہمام نے کیا ہے، صحیح نہیں ہے۔ بلکہ حقیقت صدقہ کی یہ ہے کہ آدمی اپنے مال کو اللہ تعالیٰ کے واسطے نکالے کہ وہ مال وجوہِ خیر میں صرف کیے جاویں۔ پس جہاں مع تملیک ہوگا، وہ تملیک ہوگا، ورنہ بلا تملیک۔ اور اس کے مصارف کی تصریح حق تعالیٰ نے اپنے قول : اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلۡفُقَرَآءِ... (التوبۃ : ٦٠) میں فرمایا ہے۔

امام راغب نے ''مفردات القرآن'' میں لکھا ہے :

''والصدقة ما يخرجه الإنسان من ماله علی وجه القربة کالزکاة'' انتهی (المفردات فی غريب القرآن ١ ٥٧٥)

''صدقہ وہ ہے جو انسان قرب الٰہی کے حصول کےلیے اپنے مال میں سے نکالتا ہے۔''

دوم یہ کہ بعض صورتوں میں صورت تملیک اصلاً نہیں پائی جاتی ہے اور وہ محل مصرفِ زکات قرار دیا گیا۔ چنانچہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے قول تعالیٰ :

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلۡفُقَرَآءِ وَالۡمَسٰكِيۡنِ وَالۡعٰمِلِيۡنَ عَلَيۡهَا وَالۡمُؤَلَّفَةِ قُلُوۡبُهُمۡ وَفِى الرِّقَابِ وَالۡغٰرِمِيۡنَ وَفِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَابۡنِ السَّبِيۡلِ (التوبۃ : ٦٠)

''صدقے صرف فقیروں کےلیے ہیں اور مسکینوں کےلیے اور ان کے وصول کرنے والوں کےلیے اور ان کےلیے جن کے دل پر چائے جاتے ہوں اور گردن چھڑانے میں اور قرض داروں کےلیے اور اللہ کی راہ میں اور راہ رو مسافروں کےلیے۔''

کے بارے میں امام بخاری نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے :

''ويذکر عن ابن عباس رضی الله عنهما : يعتق من زکاة ماله، يعطی فی الحج، وقال الحسن : إن اشتری أباه من الزکاة جاز، ويعطی فی المجاهدين والذي لم يحج، ثم تلا : اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلۡفُقَرَآءِ ... الآية'' (صحيح البخاري ٢ ٥٣٣)

''ابن عباس رضی اللہ عنہما کے واسطے سے ذکر کرتے ہیں : بندہ اپنے زکات کے مال سے آزاد کر سکتا ہے۔ حج میں بھی دے سکتا ہے۔ حسن نے کہا ہے کہ اگر اس نے زکات کے مال سے اپنے والد کو خرید لیا تو جائز ہے اور مجاہدین کو دے سکتا ہے اور وہ جس نے حج نہیں کیا۔ پھر تلاوت فرمائی : اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلۡفُقَرَآءِ... ۔''

اور فتح الباری میں ہے :

''وصله أبو عبيد فی کتاب الأموال من طريق حسان [بن] أبي الأشرس عن مجاهد عنه أنه کان لا يری بأسا أن يعطی الرجل من زکاة ماله فی الحج، وأن يعتق من الرقبة۔ أخرجه عن أبی معاوية عن الأعمش عنه، وأخرج عن أبي بکر بن عياش عن الأعمش عن أبي نجيح عن مجاهد عن ابن عباس قال : أعتق من زکاة مالک۔ وتابع أبا معاوية عبدة بن سليمان، رويناه فی فوائد يحيیٰ بن

معين رواية أبي بكر بن علي المروزي عنه عن عبدة عن الأعمش عن [ابن] أبي الأشرس، ولفظه: كان يخرج زكاته ثم يقول: جهزونا منها إلى الحج، وقال الميموني: قلت لأبي عبدالله: يشتري الرجل من زكاة ماله الرقاب فيعتق ويجعل في ابن السبيل؟ قال: نعم، ابن عباس يقول ذلک، ولا أعلم شيئا يدفعه، وقال الخلال: أخبرنا أحمد بن هاشم قال: قال أحمد: كنت أرى أن يعتق من الزكاة، ثم كففت عن ذلک، إني لم أره يصح، قال حرب: فاحتج عليه بحديث ابن عباس فقال: هو مضطرب۔ انتهى، وإنما وصفه بالاضطراب للاختلاف في إسناده على الأعمش كما نرى، ولهذا لم يجزم به البخاري۔''

''وقد اختلف السلف في تفسير قوله تعالى: وفي الرقاب فقيل: المراد شراء الرقبة لتعتق، وهو رواية ابن القاسم عن مالک، واختيار أبي عبيد وأبي ثور وقول إسحاق، وإليه مال البخاري وابن المنذر، وقال أبو عبيد: أعلى ما جاء فيه قول ابن عباس، وهو أولى بالاتباع، وأعلم بالتأويل، وروى ابن وهب عن مالک أنها في المكاتب، وهو قول الشافعي والليث والكوفيين وأكثر أهل العلم، ورجحه الطبراني، وفيه قول ثالث: إن سهم الرقاب يجعل نصفين: نصف لكل مكاتب يدعي الإسلام، ونصف يشترى بها رقاب من صلى وصام۔ أخرجه ابن أبي حاتم وأبو عبيد في الأموال باسناد صحيح عن الزهري أنه كتب ذلک لعمر بن عبدالعزيز۔'' (فتح الباري ۳ ۳۳۲)

''اور ابو عبید نے کتاب الاموال میں اسے موصول ذکر کیا ہے حسان بن ابو الاشرس کے طریق سے، انھوں نے مجاہد کے واسطے سے کہ ابن عباس کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے کہ کوئی شخص اپنے مال کی زکات حج میں دے اور یہ کہ گردن آزاد کرے۔ انھوں نے اس کی تخریج کی ہے معاویہ کے واسطے سے، انھوں نے اعمش کے واسطے سے۔ نیز انھوں نے تخریج کی ہے ابو بکر بن عیاش کے واسطے سے، انھوں نے اعمش کے واسطے سے، انھوں نے ابو نجیح کے واسطے سے، انھوں نے مجاہد کے واسطے سے اور انھوں نے ابن عباس کے واسطے سے کہ انھوں نے فرمایا کہ اپنے مال کی زکوۃ میں سے آزاد کرو۔ ابو معاویہ کی عبدہ بن سلیمان نے متابعت کی ہے، یحییٰ بن معین کی فوائد میں ہمیں اس کی روایت بیان کی گئی ہے ابو بکر بن علی المروزی کی روایت عبدہ کے واسطے سے، ان کی اعمش کے واسطے سے اور ان کی ابن ابو الاشرس کے واسطے سے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں: وہ اپنی زکات نکالتے تھے، پھر کہتے: اس میں سے میرے لیے حج کا سامان سفر تیار کرو۔ میمون نے کہا: میں نے ابو عبداللہ سے کہا کہ کوئی شخص اپنے مال کی زکات سے غلام خریدتا ہے، پھر اس کو آزاد کردیتا ہے اور اس کو محاذ جنگ پر روانہ کردیتا ہے؟ انھوں نے کہا: ہاں درست ہے۔ ابن عباس ایسا ہی کہا کرتے تھے اور اس کے علاوہ میں کوئی چیز نہیں جانتا جو اس کے مخالف ہو۔ خلال نے کہا: ہمیں خبر دی ہے احمد بن ہاشم نے کہ امام احمد نے کہا کہ میں سمجھتا تھا: زکات سے آزاد کیا جائے، لیکن پھر میں اس سے باز آگیا، کیونکہ میں اسے صحیح نہیں سمجھتا۔ حرب نے کہا: پھر ان کے سامنے حدیث ابن عباس کو بطورِ دلیل ذکر کیا گیا تو انھوں نے کہا: وہ مضطرب ہے۔ حدیث میں اضطراب کی بات اعمش پر اس کی سند میں اختلاف کی بنا پر ہے، جیسا کہ ہم نے دیکھا اور اسی لیے بخاری نے اسے بالجزم بیان نہیں کیا ہے۔

''اللہ تعالیٰ کے قول وفي الرقاب کی تفسیر کے سلسلے میں سلف کے مابین اختلاف رہا ہے۔ کہا گیا ہے کہ اس سے مراد غلام خرید کر اس کو آزاد کرنا ہے۔ یہ روایت ابن قاسم کی ہے مالک کے واسطے سے۔ ابو عبید، ابو ثور، اور اسحاق نے اسی کو اختیار کیا ہے اور اسی کی جانب بخاری اور ابن المنذر مائل ہوئے ہیں۔ ابو عبید نے کہا ہے کہ اس سلسلے میں جو اقوال ہیں، ان میں ابن عباس کا قول سب سے اعلیٰ ہے اور اس لیے کہ اتباعِ سنت اور تفسیر کے علم میں بھی وہ سب سے افضل ہیں۔ ابن وہب نے روایت کی ہے مالک سے کہ یہ مکاتب کے بارے میں ہے اور یہی قول شافعی، لیث، کوفیوں اور اکثر اہل علم کا ہے اور اسی کو طبرانی نے ترجیح دیا ہے۔ اس میں ایک تیسرا قول ہے کہ غلام آزاد کرانے کے سلسلے میں دو حصے کیے جائیں گے۔ ایک نصف ہر اس مکاتب کے لیے جو اسلام کا دعویٰ کرتا ہے، اور دوسرا نصف اس گردن کو آزاد کرانے کے لیے استعمال ہوگا جو روزے اور نماز کا پابند ہے۔ اس کی تخریج ابن ابی حاتم نے، اور ابو عبیدہ نے الاموال میں کی ہے صحیح اسناد کے ساتھ زہری کے واسطے سے کہ یہ مسئلہ انھوں نے عمر بن عبدالعزیز کو لکھ بھیجا تھا۔''

اور تفسیر درمنثور میں ہے:

''ابن المنذر عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: أعتق من زكاة مالک۔ وأخرج أبو عبيد وابن المنذر عن الحسن أنه كان لا يرى بأسا أن يشتري الرجل من زكاة ماله نسمة فيعتقها، وأخرج ابن المنذر وابن أبي حاتم عن عمر بن عبدالعزيز قال: سهم الرقاب نصفان، نصف لكل مكاتب ممن يدعي الإسلام، والنصف الباقي يشترى به رقاب ممن صلى وصام، وقدم إسلامه، من ذكر أو أنثى، يعتقون لله، قال أبو عبيد: قول ابن عباس أعلى ما جاءنا في هذا الباب، وهو أولى بالاتباع، وأعلم بالتأويل، وقد وافقه عليه كثير من أهل العلم'' (الدر المنثور ۴ ۲۲۴)

''ابن منذر رحمہ اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے کہا کہ اپنے مال کی زکوۃ سے غلام آزاد کراؤ اور ابو عبید اور ابن منذر نے حسن کے واسطے سے تخریج کی

ہے کہ وہ اس امر میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے کہ کوئی شخص اپنے مال کی زکوٰۃ سے غلام خریدے، پھر اس کو آزاد کر دے۔ ابن منذر اور ابن ابی حاتم نے عمر بن عبدالعزیز کے واسطے سے تخریج کی ہے کہ انھوں نے کہا کہ گردن کا حصہ دو نصف ہے۔ ایک نصف اس مکاتب کے لیے ہے جو اسلام کا مدعی ہے اور باقی نصب سے اس غلام کو خریدا جائے گا جو نماز پڑھتا ہے اور روزہ رکھتا ہے اور پہلے سے مسلمان ہے، خواہ مرد ہو یا عورت، انھیں اللہ کے لیے آزاد کیا جائے گا۔ ابو عبید کہتے ہیں کہ ابن عباس کا قول سب سے اعلیٰ ہے اور اتباع کے لیے سب سے مناسب ہے۔ کیوں کہ یہی تاویل کے سب سے زیادہ جاننے والے ہیں اور اکثر اہل علم نے انھیں کی موافقت کی ہے۔''

اور تفسیر ابن کثیر میں ہے :

''فأما الرقاب فروي عن الحسن البصري ومقاتل بن حيان وعمر بن عبد العزيز وسعيد بن جبير والنخعي والزهري وابن يزيد أنهم المكاتبون، وروي عن أبي موسى الأشعري نحوه، وهو قول الشافعي والليث رضي الله عنهما، وقال ابن عباس والحسن: لا بأس أن تعتق الرقبة من الزكاة، وهو مذهب أحمد ومالك وإسحاق، أي أن الرقاب أعم من أن يعطى المكاتب أو يشتري رقبة فيعتقها استقلالا'' انتهى (تفسیر ابن کثیر ۲ ۴۴۵)

''اور رقاب سے مراد حسن بصری، مقاتل بن حیان، عمر بن عبدالعزیز، سعید بن جبیر، نخعی، زہری اور ابن یزید کی روایت کے مطابق مکاتب غلام ہیں۔ ابو موسیٰ کے واسطے سے بھی ایسی ہی روایت بیان کی گئی ہے اور یہی شافعی اور لیث کا قول ہے۔ ابن عباس اور حسن نے کہا ہے کہ کوئی حرج نہیں ہے کہ زکات سے رقاب آزاد کرایا جائے۔ یہی مسلک احمد، مالک، اور اسحاق کا ہے۔ یعنی یہ رقاب عام ہیں اس سے کہ مکاتب کو دیا جائے یا غلام خرید کر اس کو آزاد کیا جائے۔''

پس وَفِي الرِّقَابِ کی ایک صورت عبداللہ بن عباس و حسن بصری و عمر بن عبدالعزیز نے یہ قرار دیا ہے کہ اموال زکوٰۃ میں سے لونڈی غلام خرید کر کے ادا کیے جاویں اور یہی قول مالک، احمد، ابو عبید و دیگر ائمہ کا ہے۔ پس اس صورت میں ''تملیک للفقراء'' (فقیروں کو مال کا مالک بنانے کی کیفیت) اصلاً نہیں پائی گئی، بلکہ وہ متصدق خود بنفسہ اس مال زکوٰۃ سے متولی و مباشر اس کے شراء کا ہوا، پھر اس کو آزاد کیا۔ اور اس کا بیان صاف طور پر صاحبِ ہدایہ نے کیا ہے :

''ولا يشتري بها رقبة تعتق خلافاً لمالك رحمه الله حيث ذهب إليه في تأويل قوله تعالى: وَفِي الرِّقَابِ ولنا أن الإعتاق إسقاط الملك، وليس تمليك'' (الهداية، ص: ۱۱۰)

''اور نہیں خریدا جائے گا زکات کی رقم سے غلام جس کو آزاد کیا جائے (امام) مالک کے برخلاف جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول وَفِي الرِّقَابِ کی تاویل کے سلسلے میں ان کا مسلک ہے۔ ہمارے نزدیک آزاد کرنا ملکیت کو ساقط کرانا ہے نہ کہ مالک بنانا۔''

اور حاشیہ کشاف میں ہے :

''إن الأصناف الأربعة الأوائل ملاك لما عساه يدفع إليهم، وإنما يأخذونه ملكا، فكان دخول اللام لائقا بهم، وأما الأربعة الأواخر فلا يملكون ما يصرف نحوهم، بل ولا يصرف إليهم، ولكن في مصالح تتعلق بهم، فالمال الذي يصرف في الرقاب إنما يتناوله السادة والمكاتبون والبائعون، فليس نصيبهم مصروفا إلى أيديهم حتى يعبر عن ذلك باللام المشعرة بتملكهم، لما يصرف نحوهم، وإنما هم محال لهذا الصرف والمصلحة المتعلقة به'' (حاشیہ الکشاف لابن المنیر ۲ ۲۸۳)

''پہلی چار اصناف کا تعلق ملکیت سے ہے، کیوں کہ اس میں یہ چیز پائی جاتی ہے کہ ان کے حوالے کیا جائے اور وہ اس کو ملکیت کے طور پر لے لیتے ہیں۔ اس طور سے یہاں لازم کا دخول ان کے مناسب ہے۔ رہیں چاروں آخری اصناف تو اس میں وہ لوگ مالک نہیں بنتے ہیں کہ ان پر خرچ کیا جائے اور نہ ان کی طرف خرچ کیا جائے گا، بجز ان مصالح کے جو ان سے متعلق ہیں۔ وہ مال جو گردن آزاد کرنے کے لیے خرچ کیا جائے گا، اس کو صرف سید، مکاتب اور بیچنے والے ہی استعمال کر سکتے ہیں۔ ان کا حصہ ان کے ہاتھوں سے خرچ نہیں ہوتا ہے، یہاں تک کہ اس کی تعبیر ایسے لام سے کی جائے جو ان کی ملکیت کا پتا دیتی ہو اس کا جو کچھ ان کی جانب خرچ کیا جائے گا اور یہ سب محال ہیں، اس مصرف کے لیے اور اس مصلحت کے لیے جو اس سے متعلق ہے۔''

اور مؤیدات سے عدم اعتبار التملیک کی وہ روایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے، جس کو امام بخاری نے روایت کیا ہے :

''عن أبي هريرة رضي الله عنه قال : أمر رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بصدقة، فقيل : منع ابن جميل وخالد بن الوليد والعباس بن المطلب، فقال النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم : ما ينقم ابن جميل إلا أنه كان فقيرا فأغناه الله ورسوله، وأما خالد فإنكم تظلمون خالدا قد احتبس أدراعه وأعتده في سبيل الله... '' الحديث (صحيح البخاري، رقم الحديث ١٣٩٩)

''ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صدقے کا حکم دیا، پس کہا گیا کہ ابن جمیل، خالد بن ولید اور عباس بن عبدالمطلب نے منع کیا ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : ابن جمیل کی کیا حیثیت ؟ وہ تو فقیر تھا اس کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غنی بنا دیا۔ رہے خالد تو تم لوگ خالد کے ساتھ زیادتی کرتے ہو، کیونکہ اس نے اپنی زرہ اور اسلحہ وغیرہ اللہ کی راہ میں وقف کیا ہوا ہے۔''

فتح الباری میں ہے :

''وقد استدل بقصة خالد على جواز إخراج مال الزكاة في شراء السلاح وغيره من آلات الحرب والإعانة بها في سبيل الله، بناء على أنه عليه الصلاة والسلام أجاز لخالد أن يحاسب نفسه بما حبسه فيما يجب عليه'' (فتح الباري ٣ ٣٣٤)

''خالد کے قصے استدلال کیا گیا ہے کہ زکات کے مال سے اسلحہ اور آلاتِ حرب اور اعانت فی سبیل اللہ جائز ہے۔ اس بنیاد پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خالد کو اجازت دی تھی کہ وہ اپنا حسب کریں اس چیز کے ساتھ جو انھوں نے اپنے اوپر عائد واجب کو ادا کرنے میں روک رکھی تھی۔''

اور عینی شرح البخاری میں ہے :

''والحديث فيه تحبس آلات الحرب والثياب وكل ما ينتفع به مع بقاء عينه والخيل والابل كالأعبد'' انتهى (عمدة القاري ٩ ٤٧)

''اور حدیث میں اسلحہ وغیرہ اور کپڑوں کو وقف کرنے کی دلیل ہے اور ہر اس چیز کو جس سے فائدہ حاصل کیا جا سکتا ہے اس کی اصل کی بقا کے ساتھ اور گھوڑا اور اونٹ، غلاموں کی مانند ہیں۔ ختم شد''

سوم یہ کہ قولہ تعالیٰ : وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بلاشک کہ فرد کامل اس کے غزاۃ ومجاہدین ہیں، مگر لفظ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ کا عام اور کل وجوہِ خیر داخل فی سبیل اللہ ہے اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تخصیص ساتھ کسی فرد کے نہیں کی ہے۔ ہاں بعض بعض افراد کا ذکر احادیث صحیحہ میں آیا ہے، جیسے روایت ابو سعید خدری :

''قال : قال رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم : لا تحل الصدقة لغني إلا لخمسة : لغاز في سبيل الله، أو لعامل عليها، أو لغارم ... الحديث۔ أخرجه أبو داود في الزكاة، وابن ماجه، وسكت عنه المنذري، وأخرجه في الموطأ مرسلا'' (سنن أبي داود، رقم الحديث : ١٦٣٥، سنن ابن ماجه، رقم الحديث ١٨٤١، موطأ الإمام مالك ١ ٢٦٨)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ صدقہ غنی کے لیے حلال نہیں ہے سوائے پانچ کے، مجاہد یا عامل یا قرض دار کے لیے ... الحدیث۔ اس کی تخریج ابو داود نے الزکوۃ میں کی ہے اور ابن ماجہ نے، اور منذری نے سکوت اختیار کیا ہے اور موطا میں اس کی تخریج مرسل روایت کے طور پر ہوئی ہے۔''

پس اس حدیث نے وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ کے ایک فرد کو بیان کر دیا کہ وہ غازی مجاہد فی سبیل اللہ ہے۔ اور جیسے روایت ام معقل :

''قالت : كان أبو معقل حاجا مع رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، فلما قدم، قالت أم معقل : قد علمت أن علي حجة فانطلقا يمشيان حتى دخلا عليه، فقالت : يا رسول الله إن علي حجة وإن لأبي معقل بكرا، قال أبو معقل : صدقت، جعلته في سبيل الله، فقال رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم : أعطها فلتحج عليه، فإنه في سبيل الله، فأعطاها البكر'' الحديث۔ أخرجه أبو داود في الحج۔ (سنن أبي داود، رقم الحديث ١٩٨٨)

''ام معقل نے کہا کہ ابو معقل رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج کے لیے گئے، پس جب وہ آئے تو ام معقل نے کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ میرے اوپر حج فرض ہے۔ وہ دونوں چلے یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، پس انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ مجھ پر حج فرض ہے اور ابو معقل کے پاس ایک اونٹ ہے۔ ابو معقل نے کہا: تو نے سچ کہا، میں نے اسے اللہ کی راہ میں دے دیا ہے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس کو دے کہ وہ اسی اونٹ پر حج کرے، کیونکہ یہ بھی تو اللہ کی راہ میں ہے۔ تو انھوں نے اپنی بیوی کو اونٹ دے دیا۔ حدیث کی تخریج ابوداود نے کتاب الحج میں کی ہے۔''

کہا خطابی نے ''معالم السنن'' میں:

''فیہ من التفقہ جواز إحباس الحیوان، وفیہ أنہ جعل الحج من السبیل، وقد اختلف الناس فی ذلک، فکان ابن عباس لا یری بأسا یعطی الرجل من زکاتہ فی الحج، وروي مثل ذلک عن ابن عمر، وکان أحمد بن حنبل وإسحاق یقولان: یعطی من ذلک فی الحج، وقال أبو حنیفۃ وأصحابہ وسفیان الثوري والشافعی: لا تصرف الزکاۃ إلی الحاج، سھم السبیل عندھم الغزاۃ والمجاھدون'' انتھی (معالم السنن ۱/ ۴۶۶)

''اس حدیث میں فقہی مسئلہ یہ ہے کہ حیوان کو وقف کرنا جائز ہے۔ نیز اس میں یہ مسئلہ بھی ہے کہ حج فی سبیل اللہ میں داخل ہے۔ اس سلسلے میں لوگوں کے درمیان اختلاف ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کوئی حرج نہیں سمجھتے کہ اپنے زکات کے مال میں سے حج کے لیے دے۔ ایسی ہی روایت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی بیان کی جاتی ہے۔ ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب اور شافعی نے فرمایا کہ زکات کا مال حج کے مصرف میں نہیں لایا جائے گا۔ ان کے نزدیک سبیل سے مراد اللہ کی راہ کے غازی اور مجاہدین ہیں۔ ختم شد''

پس اس حدیث نے ﴿وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ کے ایک افراد کو بیان کیا کہ وہ حج بھی ہے۔ اور ممکن ہے استدلال اس پر ساتھ حدیث سہل بن ابی حثمہ کے:

''إن النبی ﷺ وداہ بمائۃ من إبل الصدقۃ، یعنی دیۃ الأنصاري الذي قتل بخیبر'' أخرجہ الأئمۃ الستۃ فی کتبھم، واللفظ لأبی داود۔ (سنن أبی داود، رقم الحدیث ۱۶۳۸)

''نبی ﷺ نے صدقے کے اونٹوں میں سے سو اونٹ دیت کے طور پر دیے، یعنی اس انصاری کی دیت جو خیبر میں قتل کیے گئے تھے۔ اس کی تخریج ائمہ ستہ نے اپنی کتابوں میں کی ہے اور مذکورہ الفاظ ابوداود کے ہیں۔''

یعنی رسول اللہ ﷺ نے واسطے رفع فتنہ و اصلاح بین الناس کے سہل بن ابی حثمہ انصاری کو سو اونٹ زکوۃ مفروضہ میں سے دے دیا۔ پس اب مصارف ثمانیہ مذکورہ فی القرآن میں سے کس مصرف میں یہ داخل کیا جائے گا؟ پس امام مالک اور ایک جماعت اس کو ''غارمین'' میں داخل کرتے ہیں، کیونکہ یہ لوگ ''غارم'' کی تعریف یہ کرتے ہیں کہ:

''ھو مدین مثل من استدان لیصلح بین الطائفتین فی دیۃ أو دین تسکینا للفتنۃ، وإن کان غنیا'' ذکرہ الزرقانی۔'' (شرح الزرقانی ۲/ ۱۶۸) عون المعبود ۵/ ۳۱)

''وہ قرض دار ہے، جس نے قرض اس لیے لیا کہ دیت اور قرض کے معاملے میں دو گروہوں کے درمیان مصالحت کرائے یا فتنے کو رفع کرے، گرچہ وہ غنی ہو۔ اس کا ذکر زرقانی نے کیا ہے۔''

اور کہا خطابی نے ''شرح السنن'' میں:

''الغارم الغنی فھو الرجل یتحمل الحمالۃ، ویدان فی المعروف وإصلاح ذات البین، ولہ مال إن بیع فیھا افتقر، فیعطی من الصدقۃ ما یقضی بہ دینہ، فأما الغارم الذي یدان لنفسہ وھو معسر فلا یدخل فی ھذا المعنی، لأنہ من جملۃ الفقراء أیضا''

قال الخطابی: ''یشبہ أن یکون النبی ﷺ إنما أعطاہ ذلک من سھم الغارمین علی معنی الحمالۃ فی إصلاح ذات البین، لأنہ قد شجر بین الأنصاري وبین أھل خیبر فی دم القتیل الذي وجد بھا منھم، فإنہ لا مصرف بمال الصدقات فی الدیات'' (معالم السنن ۱/ ۳۳۳، ۳۳۵)

''غارم غنی وہ شخص ہے جوتاوان کا تحمل ہواور اصلاح بین الناس جیسے معروف کام کےلیے قرض لیتا ہواور اس کے پاس اتنا ہی مال ہو کہ اگر اس نےاپنے پاس سے دیا تو وہ فقر میں مبتلا ہوجائے گا تو صدقے کے مال سے اس کواتنا دیا جائے گا جواس کے قرض کےلیے کافی ہو۔ رہا وہ غارم (مقروض) جواپنےلیے قرض لیتا ہے اور وہ تنگ دست ہے تو یہ غنی کے حکم میں داخل نہیں ہوگا، کیونکہ وہ عام فقرا کی طرح ہے۔ خطابی نے کہا کہ ممکن ہے کہ نبی ﷺ نے اس کو صرف اس بنا پر غارمین کے حصے میں سے دیا ہوگا کہ اسے اصلاح ذات البین پر محمول کیا ہوگا، کیونکہ انصاری اور اہل خیبر کے درمیان، اس مقتول کے سلسلے میں جو وہاں پایا گیا تھا، نزاع پیدا ہوگیا تھا، کیونکہ دیتوں (خون بہا) کےلیے صدقات کا مال صرف نہیں کیا جاتا۔''

اورائمہ احناف اس کو ''غارمین'' میں داخل نہیں کرتے ہیں، کیونکہ ان کے نزدیک ''غارم'' کی وہ تعریف ہے جوہدایہ میں ہے:

''والغارم من لزمہ دین، ولا یملک نصابا فاضلا عن دینہ، وقال الشافعی: من تحمل غرامۃ في إصلاح ذات البین وإطفاء الثائرۃ بین القبیلتین'' انتھی (الھدایۃ ١ ١١٢)

''اور غارم وہ شخص ہے جس کے اوپر قرض ہواوراپنے قرض سے زیادہ فاضل نصاب کا مالک نہ ہو۔ شافعی نے کہا ہے کہ غارم وہ ہے کہ جو شخص آپسی نزاع کے اصلاح کرانے میں قرض دار ہوگیا یا دو قبیلوں کے درمیان جھگڑا ختم کروانے کےلیے قرض دار ہوگیا۔ ختم شد''

''عن الزھري أنہ سئل عن الغارمین، قال: أصحاب الدین، وابن السبیل، وإن کان غنیا، وقال مجاھد: من احترق بیتہ، وذھب السیل بمالہ، وادان علی عیالہ'' انتھی (تفسیر الدر المنثور للسیوطی ٤ ٢٢٥)

''زہری سے روایت ہے کہ ان سے غارمین کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے کہا: قرض دار لوگ اور مسافر اگرچہ غنی ہو۔ مجاہد نے کہا کہ جس کا گھر جل کر تباہ ہوگیا اور سیلاب کے سبب مال واسباب سب ختم ہوگیا اور اس نےاپنے عیال کےلیے قرض لیا۔''

اور لغت میں ''غریم'' قرض دار کو کہتے ہیں۔ مفردات القرآن میں ہے:

''الغرم ما ینوب الإنسان في مالہ من ضرر لغیر جنایۃ منہ، یقال: غرم کذا غرماً ومغرماً۔ والغریم یقال لمن لہ الدین، ولمن علیہ الدین، قال تعالیٰ: والغارمین وفی سبیل اللہ'' انتھی (مفردات القرآن ٢ ١٥١)

''غرم جو انسان کے مال میں بغیر کسی جرم کے آفت آتی ہے اور غریم وہ شخص ہے جس نے قرض دیا ہواور جس کے اوپر قرض ہو، جیسا کہ فرمایا: غارمین اور فی سبیل اللہ۔ ختم شد''

اور ''بنایہ شرح ہدایہ'' میں ہے:

''الغرم ھو من الخسران، وکان الغارم ھو الذي خسر مالہ، والخسران النقصان، وقال أبو جعفر البغدادي، الغارم من لزمہ دین، وإن کان في یدہ مال، ولکنہ لا یکفي لأداء الدین، فصار کمن لا مال لہ'' انتھی (البنایۃ شرح الھدایۃ للعینی ٣ ٤٥٣)

''غرم خسران میں سے ہے اور غارم وہ شخص ہے جس کا مال خسارے میں ہواور خسران نقصان کو کہتے ہیں۔ ابو جعفر بغدادی نے کہا ہے کہ غارم وہ ہے جس کے اوپر قرض ہے، اگرچہ اس کے پاس مال ہو، لیکن وہ مال قرض ادا کرنے کےلیے ناکافی ہو، تو یہ شخص ایسے ہے جیسے اس کے پاس مال نہیں ہے۔''

پس حدیث سہل بن ابی حثمہ کو تحت الغارمین داخل کرنے اور فی سبیل اللہ سے خارج کرنے پر کوئی دلیل قوی نہیں ہے سوائے احتمال اور ظن کے، جیسا کہ خطابی نے بلفظ ''یشبہ'' ذکر کیا ہے۔ بلکہ ظاہر حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ داخل تحت فی سبیل اللہ ہے، کیونکہ صلح بین الطائفتین اور تسکین فتنہ رفع القتال اعظم امور خیر میں ہے۔ پس فی سبیل اللہ میں اس کو نہیں داخل کرنے کی دلیل قوی چاہیے۔ اسی لیے بعض ائمہ نے ''سبیل اللہ'' کو عموم پر رکھا ہے اور سارے امور خیر کو اس میں داخل کیا ہے اور شرط تملیک کو باطل کیا ہے۔

تفسیر کبیر میں ہے :

''وعلم أن ظاھر اللفظ فی قولہ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لایوجب القصر علی کل الغزاۃ، فلھذا المعنی نقل القفال فی تفسیرہ عن بعض الفقھاء أنھم أجازوا صرف الصدقات إلی جمیع وجوہ الخیر من تکفین الموتی وبناء الحصون وعمارۃ المساجد، لأن قولہ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لعام فی الکل'' (التفسیر الکبیر ۱۶ ۸۸)

''معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا قول وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ کا ظاہری لفظ صرف غزات پر ہی محمول نہیں کیا جائے گا۔ چنانچہ قفال نے اپنی تفسیر میں بعض فقہا کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ان لوگوں نے جائز قرار دیا ہے کہ صدقات کے مصارف تمام خیر کے کام ہیں، جیسے مردے کی تکفین، قلعوں کی تعمیر اور مساجد کی تعمیر۔ کیونکہ اللہ کا قول وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ہر ایک کو عام ہے۔''

اور تفسیر خازن میں ہے :

''وفی سبیل اللہ : یعنی وفی النفقۃ فی سبیل اللہ، وأراد بہ الغزاۃ، فلھم سھم من مال الصدقات، فیعطون إذا أرادوا الخروج إلی الغزو، وما یستعینون بہ علی أمر الجھاد من النفقۃ والکسوۃ والسلاح والمؤنۃ فیعطون وإن کانوا أغنیاء، لما تقدم من حدیث عطاء وأبی سعید الخدري، ولا یعطی من سھم سبیل اللہ لمن أراد الحج عند أکثر أھل العلم، وقال قوم : یجوز أن یصرف سھم سبیل اللہ إلی الحج، یروی ذلک عن ابن عباس، وھو قول الحسن، وإلیہ ذھب أحمد بن حنبل وإسحاق بن راھویہ، وقال بعضھم : إن اللفظ عام، فلا یجوز قصرہ علی الغزاۃ فقط، ولھذا أجاز بعض الفقھاء صرف سھم سبیل اللہ إلی جمیع وجوہ الخیر من تکفین الموتی وبناء الجسور والحصون وعمارۃ المساجد وغیر ذلک، قال : لأن قولہ : وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ عام فی الکل، فلا یختص بصنف دون غیرہ'' (تفسیر الخازن ۳ ۱۱۳)

''فی سبیل کا مطلب اللہ کے راستے میں خرچ کرنا ہے اور اس سے مراد غزاۃ ہیں جن کا حصہ صدقات کے مال میں سے ہے۔ اگر وہ غزوات میں جانے کا ارادہ کریں گے تو ان کو دیا جائے گا اور اس سلسلے کے جو بھی اخراجات ہوں گے نفقہ، کپڑا، اسلحہ اور سامان وغیرہ، سب کچھ دیا جائے گا، گرچہ وہ اغنیا ہوں، جیسا کہ عطا اور ابوسعید خدری کی حدیث میں گزرا۔ اکثر اہل علم کے نزدیک فی سبیل اللہ کی مد سے حج کے لیے جانے والوں کو نہیں دیا جائے گا۔ کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ حج پر جانے والے کو سبیل اللہ کے مد سے دینا جائز ہے۔ اس کی روایت ابن عباس کے واسطے سے کی جاتی ہے اور یہی حسن کا قول ہے اور اسی جانب احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ گئے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ لفظ عام ہے، اس لیے اس کو صرف غزات پر محدود کرنا جائز نہیں ہے۔ اس لیے بعض فقہا نے اجازت دی ہے کہ سبیل اللہ کا حصہ تمام خیر کے کاموں کے لیے ہے۔ اس میں مردے کی تکفین، پلوں کی تعمیر، قلعوں کی تعمیر، مساجد وغیرہ کی تعمیر شامل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قول وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ہر ایک کے لیے عام ہے۔ اس لیے کسی خاص صنف کے لیے اسے مختص نہیں کیا جائے گا۔''

اور بعض فقہا نے بھی وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ کو عام رکھا ہے۔ ''البحر الرائق شرح کنز الدقائق'' میں ہے :

''قولہ : ومنقطع الغزاۃ۔ ھو المراد بقولہ تعالی : وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وھو اختیار منہ لقول أبی یوسف، وعند محمد : منقطع الحاج، وقیل : طلبۃ العلم، واقتصر علیہ فی الفتاویٰ الظھیریۃ، وفسرہ فی البدائع بجمیع القرب، فیدخل فیہ کل من سعی فی طاعۃ اللہ تعالی وسبیل الخیرات إذا کان محتاجا'' (البحر الرائق ۲ ۲۶۰)

''مجاہدین ہی اللہ تعالیٰ کے قول وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ سے مراد ہیں۔ ابویوسف کے قول کے مطابق یہی مختار ہے اور امام محمد کے نزدیک حج کرنے والے بھی اسی زمرے میں آتے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ طلبہ بھی مراد ہیں، جیسا کہ فتاویٰ ظہیریہ میں اسی پر اقتصار کیا گیا ہے۔ بدائع میں اس کی تفسیر کی گئی ہے کہ تمام تقرب الٰہی کے کام (فی سبیل اللہ میں داخل ہیں) اس طور سے اس میں ہر وہ سعی کرنے والا داخل ہو جائے گا، جو اللہ تعالیٰ کی طاعت کے لیے ہو اور خیر کے راستے میں ہو اگر وہ محتاج ہے۔''

اور تفسیر آلوسی میں ہے :

''وفی سبیل اللہ : أرید بذلک عند أبی یوسف : منقطعوا الغزاۃ، وعند محمد : منقطعوا الحجیج، وقیل : المراد طلبۃ العلم، واقتصر علیہ فی الفتاوی الظھیریۃ، وفسرہ فی البدائع بجمیع القرب، فیدخل

فيه كل من سعى في طاعة الله تعالى وسبيل الخيرات، وقال في البحر : ولا يخفى أن قيد الفقراء لا بد منه على الوجوه كلها'' انتهى (تفسير روح المعانى للآلوسى ۱۰ ۱۲۳)

''اور فی سبیل اللہ سے مراد ابو یوسف کے نزدیک غزوات میں شرکت کرنے والے ہیں اور محمد کے نزدیک حج کےلیے رخت سفر باندھنے والے ہیں۔ کہا گیا ہے کہ اس سے مراد طلبا ہیں۔ فتاویٰ ظہیریہ میں اسی پر اقتصار کیا گیا ہے۔ بدائع میں اس کی تفسیر ہے کہ تمام تقرب الٰہی کے کام اس میں شامل ہیں۔ اس طور سے اس میں ہر وہ سعی کرنے والا داخل ہوگا، جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کےلیے ہو اور خیر کے راستے میں ہو اور یہ چیز مخفی نہیں ہے کہ تمام صورتوں میں اس کو فقرا کے ساتھ مقید یا مختص ضرور کیا جائے گا۔''

اور ''البناية في شرح الهداية'' میں ہے :

''وفي المرغيناني : وقيل : وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ طلبة العلم'' انتهى (البناية شرح الهداية ۳ ۴۵۵)

''اور مرغینانی میں ہے : کہا گیا ہے کہ فی سبیل اللہ سے مراد طلبہ ہیں۔ ختم شد''

پس جن لوگوں نے فی سبیل اللہ کو اپنے عموم پر رکھا ہے یعنی سوائے ان مصارف سبعہ مذکورہ اور کل امور خیر کو مراد لیا ہے، جس میں رضائے حق تعالیٰ مقصود ہو اور کسی حدیث مرفوع صحیح یا اثر صحابہ کی مخالفت لازم نہیں آوے، کلام اس کا اقرب الی الصواب و اوفق الی لفظ القرآن ہے اور کل اصناف ثمانیہ میں تملیک کا تحقق نہیں ہے۔ پس شرط تملیک لگا کر اور اس کو رکن قرار دے کر بنائے مسجد وغیرہ کو مصرف زکوۃ قرار نہیں دینا غیر صحیح ہے۔ بلکہ جس طرح مجاہد غازی فی سبیل اللہ کو مال زکوۃ اس غرض سے دیا جاتا ہے کہ وہ امور متعلق غزوہ میں اس کو صرف کرے اور وہ اس کا محل و مصرف قرار دیا گیا ہے اور محض اس کی ذاتی منفعت کی غرض سے وہ مال اس کو نہیں دیا جاتا ہے، پس اسی طرح مہتمان مدارس علوم دینیہ کو اموال زکوۃ مفروضہ سے دینا بایں غرض کہ وہ انفاق طلبہ و دیگر مصارف مدرسہ میں صرف کریں یا کتب دینیہ خرید کر حوالہ کریں کہ اس میں طلبہ پڑھیں، بلا شک جائز ہو سکتا ہے اور محل و مصرف زکوۃ قرار دیا جا سکتا ہے، اور تحت عموم قولہ تعالیٰ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ داخل ہو سکتا ہے۔

ایک فائدہ جلیلہ متعلق اسی مسئلہ کے یہ ہے جو ''سبل السلام شرح بلوغ المرام'' میں ہے :

''الغارم تحل له الصدقة، وإن كان غنيا، وكذلك الغازي تحل له أن يتجهز من الزكاة، وإن كان غنيا، لأنه ساع في سبيل الله. قال الشارح : ويلحق به من كان قائما بمصلحة عامة من مصالح المسلمين كالقضاء والإفتاء والتدريس، وإن كان غنيا، وأدخل أبو عبيدة من كان في مصلحة عامة في العاملين، وأشار إليه البخاري حيث قال : باب رزق الحاكم والعاملين عليها. وأراد بالرزق ما يرزقه الإمام من بيت المال ممن يقوم بمصالح المسلمين، كالقضاء والتدريس، فله الأخذ من الزكاة فيما يقوم به مدة القيام بالمصلحة، وإن كان غنيا. قال الطبري : إنه ذهب الجمهور إلى جواز أخذ القاضي الأجرة على الحكم، لأنه يشغله الحكم من القيام بمصالحه، غير أن طائفة من السلف كرهوا ذلك، ولم يحرموه. وقالت طائفة : أخذ الرزق على القضاء إن كانت جهة الأخذ من الحلال كان جائزا إجماعا، ومن تركه فإنما تركه تورعا.'' (سبل السلام ۲ ۱۴۶)

''غارم کےلیے صدقہ حلال ہے، گرچہ وہ مال دار ہو۔ اسی طرح غازی کےلیے حلال ہے کہ زکوۃ کی رقم سے اس کےلیے انتظام کیا جائے، گرچہ وہ غنی ہو، کیونکہ وہ اللہ کی راہ میں سعی کرنے والا ہے۔ شارح نے کہا ہے کہ یہی حکم اس سے بھی ملحق کیا جائے گا جو مسلمانوں کے عام مصالح کے کام انجام دے رہا ہو، جیسے قضا، افتا اور تدریس، گرچہ وہ غنی ہو۔ ابو عبید نے اس شخص کو بھی شامل کیا ہے جو عاملین کے مصالح کے کام انجام دے رہا ہو۔ اسی کی جانب بخاری نے اشارہ کیا ہے اور کہا ہے : ''باب رزق الحاكم والعاملين عليها'' یعنی حاکم اور عاملین کے رزق کا بیان۔ رزق سے مراد ان کے نزدیک وہ ہے جو امام بیت المال سے اسے دیتا ہے، جو مسلمانوں کے مصالح کے کام انجام دیتا ہو، جیسے قضا اور تدریس، تو اس کو زکوۃ کی رقم سے لینا جائز ہے، اس کام کے عوض اس مخصوص مدت میں جس میں وہ کام انجام دے رہا ہے، اگرچہ وہ غنی ہو۔ طبری نے کہا ہے : جمہور کا مسلک یہ ہے کہ قاضی کا قضا کے سلسلے میں اجرت لیا جائز ہے، کیونکہ وہ اپنے مصالح کی انجام دہی سے مشغول ہوتا ہے۔ ہاں سلف کے ایک طبقے نے اسے مکروہ کہا ہے، لیکن حرام نہیں قرار دیا ہے اور ایک گروہ نے کہا ہے : قضا پر اجرت (رزق) لینا اگر وہ حلال صورت میں ہے تو بالاجماع جائز ہے اور جس نے اسے چھوڑا ہے تو اس کا چھوڑنا زُہد کی بنا پر ہے۔''

وقال الآلوسي في تفسيره :

''ویجوز صرف الزکاۃ لمن لاتحل لہ المسألۃ بعد کونہ فقیراً، ولایخرجہ عن الفقر ملک نصب کثیرۃ غیر نامیۃ إذا کانت مستغرقۃ للحاجۃ، ولذا قالوا: یجوز للعالم وإن کانت لہ کتب تساوي نصبا کثیرۃ إذا کان محتاجاً إلیھا للتدریس ونحوہ أخذ الزکاۃ، بخلاف العامی'' (انتھی (روح المعانی ۱۰ ۱۲۰)

''زکات دینا جائز ہے، اس کے لیے جس کے لیے بھیک مانگنا حلال نہیں تھا فقیر ہونے کے بعد۔ فقر سے اس کو نہیں نکال سکتی ملکیت غیر نامیہ یعنی ایسی ملکیت جو بڑھنے والی نہ ہو، جبکہ اس کو شدید حاجت ہو۔ اسی لیے انھوں نے کہا ہے کہ عالم کے لیے جائز ہے، اگرچہ اس کے پاس ڈھیروں کتابیں ہوں، جب وہ تدریس کے لیے ان کتابوں کا محتاج ہو کہ وہ زکات لے، عامی کے برخلاف۔

ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

مجموعہ مقالات، وفتاویٰ

صفحہ نمبر 167

محدث فتویٰ